سیر و سوانح

امام بغویؒ اور ان کی تفسیر معالم التنزیل

تحریر: ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ترجمہ: محمد جرجیس کریمی

قرآن ہی وہ یکتائے روزگار کتاب ہے۔ جو بلا تفریق دین و مذہب لوگوں کی امتیازی توجہ کی مستحق رہی ہے۔ ماضی میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور آئندہ قیامت تک انشاء اللہ یہ چیز باقی رہے گی۔ انہی میں علامہ امام بغویؒ بھی ہیں جنھوں نے پانچویں صدی ہجری میں قرآن پر "معالم التنزیل" کے نام سے ایک گراں قدر تفسیری سرمایہ چھوڑا ہے جس کی افادیت ہمیشہ باقی رہے گی۔

امام بغویؒ نام اور کنیت

آپ کا نام الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی اور کنیت ابو محمد ہے اس کے علاوہ آپ کی کوئی دوسری کنیت نہیں ہے، غالباً "محمد" آپ کے صاحبزادے ہیں جن کی طرف اس کنیت کی نسبت ہے۔

آپ کو آفاق گیر شہرت ملی ہے اور لوگوں نے آپ کو بے شمار القاب سے یاد کیا ہے ان میں سے مشہور ترین لقب "محی السنۃ" ہے۔

اس لقب کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ نے "شرح السنۃ" کی تصنیف فرمائی تو خواب میں آپ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا "احیاك اللہ کما احییت سنتی" اللہ تمہیں زندہ کرے جیسا کہ تم نے میری سنت کو زندہ کیا۔ پس اسی دن سے آپ کو "محی السنۃ" کے لقب سے پکارا جانے لگا۔ اس کے علاوہ آپ کو رکن الدین، امام، اور شیخ الاسلام جیسے القاب سے بھی یاد کیا

جاتا ہے نیز آپ الفراء اور ابن الفراء کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ الفراء اون کاتنے والے کو کہا جاتا ہے جو آپ کے والد کا پیشہ تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ نے بھی اس پیشہ کو اختیار کیا تھا یا نہیں۔ بغوی بغ یا بغشور کی طرف منسوب ہے، جہاں آپ کی ولادت ہوئی یہ خراسان میں مرو الروذ اور ہرات کے درمیان واقع ہے۔ علامہ ابن خلکان کے بقول یہ نسبت غیر قیاسی ہے۔ حالانکہ اکثر علماء اور محققین نے اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ آپ شافعی المسلک تھے لہٰذا اس کی طرف بھی آپ کی نسبت کی جاتی ہے۔

پیدائش اور وفات

علامہ حموی نے معجم البلدان میں اس کی صراحت کی ہے کہ امام بغوی جمادی الاولی سنہ ۴۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ اور کسی نے تاریخ پیدائش کی صراحت نہیں کی ہے۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ علمائے کرام کے مختلف اقوال سے کوئی نتیجہ نکالا جا سکے۔ علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ امام بغوی ستر سے کچھ زائد سال زندہ رہے۔ جبکہ انھوں نے "التذکرہ" میں لکھا ہے کہ آپ کی عمر اسّی سال کے لگ بھگ تھی۔ ان کے ان دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اصل عبارت میں "بغ" کا استعمال ہوا ہے جو تین سے لے کر ۹ یا ۱۰ تک کی گنتی کے لیے بولا جاتا ہے۔ پھر بعد میں انھوں نے خود صراحت کر دی کہ امام بغوی کی وفات شوال سنہ ۵۱۶ھ میں ہوئی۔ علامہ ابن خلکان نے آپ کی وفات کا سن سنہ ۵۱۰ھ ذکر کیا ہے۔ لیکن انھوں نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ میں نے "الفوائد السفریہ" میں دیکھا ہے کہ حافظ زکی الدین عبد العظیم المنذری نے ان کی وفات کا سن سنہ ۵۱۶ھ تحریر کیا ہے واللہ اعلم۔

ان کے علاوہ اور بھی دوسرے حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بغویؒ کی وفات سنہ ۵۱۶ھ میں مرو الروذ کے مقام میں ہوئی۔

خاندان، پرورش اور علمی اسفار

جن کتابوں میں امام بغوی کے حالات بیان ہوئے ہیں ان میں ان کے ابتدائی

حالات اور خاندان کے بارے میں معلومات بہت کم ہیں جن سے ان کی شخصیت اوران کے افکار وخیالات پر روشنی نہیں پڑتی ویسے یہ بات معلوم ہے کہ وہ ایک متوسط گھرانے کے فرد تھے اوران کے والد فراء (اون کاتنے) کا کام کیا کرتے تھے نیز امام بغوی کا معاشی انحصار ان کی والدہ کے اونی کاروبار پر تھا۔ علامہ الفارسی لکھتے ہیں کہ "قضا کے منصب پر وہ بالجبر لائے گئے تھے اور ایک مدت تک وہ اس پر فائز رہے۔ ہر ماہ ان کو جو وظیفہ ملتا تھا وہ اسے اپنی والدہ کے پاس محفوظ کرا دیتے تھے جب آپ کی وفات کا وقت آپہنچا تو آپ نے وظیفہ کی ساری رقم منگا کر امیر کے پاس واپس بھیج دی اور کہلا بھیجا کہ یہ آپ کی امانتیں میرے پاس تھیں اب کوچ کا وقت آن پہونچا ہے سو انھیں واپس لے لیجئے۔ اسی طرح جب آپ کی بیوی کا انتقال ہوا تو آپ نے ان کی وراثت سے کچھ نہیں لیا۔

مزاجاً آپ کا میلان زہد، قناعت اور عدم طمطراق کی طرف تھا آپ کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ کہ "آپ خدا پرست عالموں میں سے تھے۔ عبادت گذاری اور ایثار وقربانی آپ کی فطرت تھی۔

آپ کے اسفار خراسان کے اندر ہی محدود ہیں۔ کیونکہ اسی ملک میں بے شمار علماء موجود تھے۔ علامہ السبکی کے بقول آپ بغداد نہیں گئے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کے حالات میں اس کا ذکر ضرور ملتا۔ اسی طرح آپ نے حجاز کا بھی رُخ نہیں کیا۔ اگر آپ وہاں جاتے تو "حج" ضرور کرتے علامہ ذہبی کہتے ہیں "میں نہیں جانتا کہ انھوں نے حج کیا ہے۔

آپ کے اساتذہ

امام بغوی نے علماء کرام کی ایک بہت بڑی تعداد سے استفادہ کیا ہے جس کا ذکر ان کے حالات پر مشتمل کتابوں میں موجود ہے مختصر طور پر ان کے چند اساتذہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابو علی الحسین بن محمد بن احمد المروزی: شافعی فقیہ ہیں شیخ خراسان کے نام سے مشہور تھے آپ کی وفات ۴۶۲ھ میں ہوئی۔ آپ کے بارے میں صاحب

"الشذرات" فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار اس زمانہ میں فقہ شافعی کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔ آپ نے ابوبکر القفال سے فقہ حاصل کیا۔ ابونعیم الاسفرائنی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ سے جن لوگوں نے تحصیل علم کیا ہے ان میں امام ابوسعید المتولی و امام بغوی بھی ہیں۔

۲۔ ابوعلی حسان بن سعید المنیعی المروزی المتوفی ۴۶۳ھ، آپ کے بارے میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "ابوعلی جوانی میں بھی صفت زہد سے متصف تھے اور تجارت ان کا مشغلہ تھا اور اس پیشہ میں وہ سب سے نمایاں فرد بن گئے۔ پھر اس کو ترک کر دیا اور خالص عبادت، زہد، نیکی، صلۂ رحمی اور صدقہ و خیرات وغیرہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

۳۔ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد بن فوران المروزی الفورانی المتوفی ۴۶۱ھ۔

۴۔ ابوالقاسم عبدالکریم بن عبدالمالک بن طلحہ نیشاپوری، قشیری المتوفی ۴۶۵ھ

۵۔ ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد بن المظفر الداؤدی السجستانی المتوفی ۴۶۷ھ

تلامذہ

علامہ الفارسی فرماتے ہیں کہ "آپ کے تقریباً چار سو تلامذہ ہیں جنھوں نے خوب شہرت پائی۔ یہاں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابوالفتوح محمد بن محمد بن علی بن محمد الطائی الہمذانی المولود ۴۷۵ھ مقام ہمذان المتوفی ۵۵۵ھ۔ آپ "الاربعین الطائیہ" کے مصنف ہیں جس کا اصل نام "الاربعین فی ارشاد السالکین الی منازل المتقین" ہے آپ کے بارے میں حاجی خلیفہ فرماتے ہیں ان کی مذکورہ کتاب کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے چالیس احادیث کو اپنے چالیس شیوخ سے سن کر لکھا ہے ہر حدیث ایک صحابیؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے ہر صحابی کے حالات زندگی اور ان کے فضائل و کمالات کا ذکر کیا ہے اور ہر حدیث کے بعد اس کی تشریح کی ہے اور اس کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

۲۔ ابوالغنائم اسعد بن احمد بن یوسف بن احمد بن یوسف الخطیب المولود ۴۷۹ھ المتوفی ۵۴۸ھ۔

۳۔ مجدالدین ابومنصور محمد بن سعد بن الحسن العطاری الطوسی ولادت ۴۸۶ھ وفات ۵۷۱ھ۔ آپ حفدہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے امام بغویؒ سے شرح السنۃ اور معالم التنزیل کی روایت کی ہے۔

۴۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الحسین اللیثی النیہی المتوفی ۵۳۵ھ۔
۵۔ ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد النوقانی المتوفی بعد ۶۰۰ھ انھوں نے امام بغوی سے اجازت لے کر روایت کیا ہے۔

اوصاف و اخلاق

علماء کرام نے آپ کے اوصاف و اخلاق کا تذکرہ فرمایا ہے نیز ان سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار پوری تفصیل سے کیا ہے۔ یہاں پر ان کو نقل کیا جاتا ہے تاکہ امام بغوی کی شخصیت پوری طرح ابھر کر سامنے آجائے۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے ان کی تصنیفات میں بڑی برکت عطا کی انھوں نے نیک مقصد کے تحت ان کو لکھا۔ وہ خود بھی ایک خدا پرست عالم عبادت گذار اور ایثار و قربانی کا نمونہ تھے۔ سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں کہ "وہ زاہد، عالم، امام اور سردار تھے۔ مزید لکھتے ہیں کہ "وہ درس کے وقت باوضو رہا کرتے تھے، لباس کے معاملہ میں وہ میانہ رو تھے۔ ان کے پاس غیر ضروری کپڑے نہ تھے، ان کی پگڑی چھوٹی اور طریقۂ سلف کے مطابق تھی"۔ مزید فرماتے ہیں کہ "تفسیر میں انھیں رسوخ حاصل تھا اور فقہ پر بڑی گہری نظر تھی۔ (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے)۔ علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ "وہ علم کا دریا تھے"۔ علامہ ابن ہدایت اللہ الحسینی فرماتے ہیں کہ "وہ دیندار متورع کم پر قناعت کرنے والے اور بے سالن کی روٹی کھانے والے تھے۔ علامہ الطیبیؒ فرماتے ہیں کہ "وہ فقہ اور حدیث کے امام متورع، ثابت قدم اور صحیح العقیدہ تھے علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "وہ اپنے زمانے کے علامہ تھے اور دینداری و پرہیزگاری کا نمونہ عابد، زاہد اور صالح شخص تھے"۔ علامہ الیافعی فرماتے ہیں کہ "وہ خراسان کے منفرد عالم تھے مزید براں قانع زاہد اور سردار تھے"۔ علامہ السبکی فرماتے ہیں کہ "وہ بلند پایہ امام، متورع، بزرگ، زاہد، فقیہہ، محدث، مفسر اور عالم باعمل تھے۔ سلف کی راہ پر گامزن اور فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ "علامہ الداؤدی فرماتے ہیں کہ وہ حدیث اور فقہ کے امام تھے بزرگ عبادت گذار اور زاہد تھے۔

علامہ امام بغویؒ کے بارے میں علماء اسلام کے ان خیالات کی روشنی میں

کہا جاسکتا ہے کہ امام موصوف زہد و ورع کا پیکر علم و عمل سے متصف سلف صالحین کے طریقے پر عامل اور تفسیر، حدیث اور فقہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔

تصنیفات

امام موصوف کی مختلف فن میں متعدد تصنیفات ہیں جو آپ کے مطالعہ کی گہرائی اور فکر سلیم پر دلالت کرتی ہیں۔ انھوں نے فقہ، حدیث اور تفسیر کے موضوعات پر گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے ہر صاحب علم واقف ہے یہاں پر مختصر طور پر ان کی تصنیفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔معالم التنزیل فن تفسیر میں یہ آپ کی مشہور کتاب ہے۔ آپ کے حالات کے ضمن میں اس کتاب کا ذکر ناگزیر سمجھا گیا ہے۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

۲۔ کتاب الکفایۃ ۔ حاجی خلیفہ اس کتاب کا نام "کتاب الکفایۃ فی القراءۃ" لکھتے ہیں۔

۳۔مصابیح السنۃ۔ آپ کی یہ کتاب علم حدیث پر ہے اور اہل علم کے درمیان معروف و متداول ہے۔ آپ کے بارے میں لکھنے والوں نے اس کی طرف مراجعت کی ہے۔ ائمہ حدیث کی کتب احادیث میں سے جن حدیثوں کو آپ نے پسند فرمایا ہے ان کو اس میں اسناد حذف کر کے جمع کر دیا ہے اور بنیادی طور پر ان کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ایک صحاح یعنی جن کو شیخین امام بخاری اور امام مسلم یا ان میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے دوسرے حسان یعنی جن کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ یہ امام موصوف کی خاص اصطلاح ہے، مطلح حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اس فن کے جن ماہرین نے اس پر تنقید کی ان میں امام نووی بھی شامل ہیں۔

یہ ایک اہم کتاب ہے۔ علمائے اسلام نے کافی تعداد میں اس کی شرحیں لکھی ہیں نیز اس کتاب کا اختصار کیا ہے یہاں پر ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ تحفۃ الابرار، قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر البضاوی المتوفی ۶۸۵ھ

ب۔ المیسر فی شرح المصابیح، شہاب الدین بن فضل اللہ بن الحسین التور بشتی المتوفی ۶۶۰ھ

ج۔ مشکاۃ المصابیح۔ الشیخ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، آپ آپ نے مصابیح السنۃ کی تکمیل اور اس کی تبویب کی جس صحابیؓ سے جو حدیث مروی تھی اس کا ذکر کیا اور جس کتاب سے حدیث لی گئی تھی اس کا بھی حوالہ دیا اور عموماً ہر باب میں ایک تیسری فصل کا بھی اضافہ کیا۔ اس طرح گویا یہ ایک مستقل تصنیف ہوگئی۔ یہ تصنیف رمضان ۷۳۷ھ کے آخری جمعہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ جب سے اب تک اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں ان میں سے جامع ترین شرح علامہ الحسن بن عبداللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ کی الکاشف عن حقائق السنن ہے[۱۶]

۴۔ **شرح السنۃ:** ۔ یہ کتاب بیروت سے تحقیق کے بعد ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی ہے یہ حدیث کی ان عظیم تصانیف میں شمار ہوتی ہے جن میں سلف کے ورثہ کو ترتیب و تنقیح، توثیق اور احکام کے اعتبار سے جمع کرلیا گیا ہے یہ کتاب حدیث کے موضوع پر ان کے وسیع مطالعہ اور درایت حدیث و علل حدیث اور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے مسلک سے ان کی گہری واقفیت کی دلیل ہے۔ مصنف نے اپنی اس کتاب کی تصنیف میں غیر معمولی محنت کی ہے۔

اس کتاب کی تالیف کی ایک بنیادی وجہ اس دور کا وہ جمود بھی تھا جو بعض فقہا کی کتابوں پر انحصار کرلینے اور کتاب و سنت سے اعراض اور ان کے معانی و حقائق اور علوم کی طرف سے بے رغبتی کی وجہ سے پیدا ہوگیا تھا۔

۵۔ **الجمع بین الصحیحین:** صحیحین سے مراد صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہے۔ اس کتاب کا ذکر آپ کے حالات میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔

۶۔ **الاربعین حدیثا۔** اس کا ذکر علامہ قاضی شبہ نے علامہ ذہبی کے حوالے سے کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۷۔ **الانوار فی شمائل النبی المختار۔** علامہ الکتانی نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مذکورہ کتاب کو علامہ بغوی نے ایک سو ایک ابواب میں محدثین کے طریقے پر سند کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سے واقف تھے یہ کتاب آج نایاب ہے۔

۸۔ **شرح جامع الترمذی۔**[۳۹]

۹۔ معجم الشیوخ۔
۱۰۔ فتاوی البغوی۔
۱۱۔ مجموعۃ الفتاوی او تعلیق علی فتاویٰ القاضی الحسین۔
یہ وہ فقہی مسائل ہیں جن کا جواب امام بغوی کے استاد شیخ ابوعلی الحسین نے دیا ہے۔ امام بغوی نے انھیں مرتب کرکے اور تعلیقات وحواشی کا اضافہ کرکے اسے شائع کیا ہے۔
۱۲۔ التہذیب فی الفقہ یہ آپ کی اپنی تالیف کردہ ہے۔ اس میں دلائل نہیں ہیں۔
۱۳۔ کتاب الارشاد۔
۱۴۔ کتاب ترجمۃ الاحکام (یہ فارسی میں ہے)

معالم التنزیل کا تفسیری نہج

امام بغوی ایک بڑے مفسر ہیں فن تفسیر میں ان کی کتاب "معالم التنزیل" مشہور ترین کتاب ہے۔ علامہ ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ تفسیر میں امام بغوی راسخ القدم ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا کہ علامہ زمخشری، علامہ قرطبی اور امام بغوی کی تفسیروں میں کن کی تفسیر بہتر ہے تو آپ نے فرمایا کہ ان تینوں میں بدعات اور ضعیف روایات سے زیادہ محفوظ امام بغوی کی تفسیر ہے لیکن تفسیر ثعلبی سے وہ کسی قدر مختصر ہے کیونکہ اس میں سے موضوع احادیث اور غلط خیالات اور غیر ضروری چیزیں حذف کردی گئی ہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ "علامہ بغوی کی تفسیر ثعلبی سے مختصر ہے لیکن وہ موضوع روایات اور فاسد خیالات سے پاک ہے۔ علامہ الاسنوی فرماتے ہیں کہ "امام بغوی فقہ، حدیث اور تفسیر کے امام تھے"۔ علامہ سیوطی کا بھی یہی خیال ہے۔ علامہ الخازن نے ان کی تفسیر پر کام کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ فن تفسیر کی کتابوں میں معالم التنزیل ایک بہترین، اعلیٰ، پاکیزہ اور صحیح اقوال کی جامع کتاب ہے۔ جو شبہ اور تبدیل وترمیم سے مبرا ہے اور احادیث نبوی سے آراستہ احکام شرعیہ سے پیراستہ اور عجیب وغریب قصے کہانیوں سے پاک ہے اور جب ان تمام خوبیوں سے متصف

تھی تو میں نے چاہا کہ اس کی مفید باتوں، نادر موتیوں، جواہر پاروں اور شگفتہ کلیوں کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ چن لوں۔

علامہ تقی الدین ابو نصر عبدالوہاب بن محمد الحسین المتوفی ۸۷۵ھ نے "معالم التنزیل" کا اختصار کیا ہے۔

امام بغوی نے کتاب کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔

الحمد لله ذی العظمة	تمام تعریف مجد و ثنا، رفعت و بزرگی،
والکبریاء والعزة والبقاء	عزت و بقا اور عظمت و کبریا
والرفعة والعلاء والمجد	ولے خدا کی ہے جس کی ذات شریک
والثناء تعالیٰ عن الانداد	وہم نوا سے بالاتر اور جو تمثیل و تشبیہ
والشرکاء وتقدس عن الامثال	سے پاک ہے۔ اور ستاروں و ذروں
والنظراء۔ والصلوٰة والسلام علی	کے بقدر درود و سلام ہو اس کے چنیدہ
نبیه وصفیه محمد خاتم الانبیاء	نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ
وامام الاتقیاء عدد ذرات الثری	خاتم انبیاء اور امام اتقیاء ہیں۔
ونجوم السماء۔	

امام بغوی اپنی اس کتاب کے سبب تالیف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "میرے کچھ مخلص دوستوں نے مجھ سے درخواست کی کہ قرآن کی تفسیر میں ایک معلومات افزا کتاب تیار کروں پس میں اللہ کے فضل اور اس کی توفیق پر بھروسہ کر کے اور نبی کریمؐ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ:۔

"ان رجالا یاتونکم من اقطار	لوگ تمہارے پاس دور دور سے
الارض یتفقهون فی الدین فاذا	دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئیں
اتوکم فاستوصوا بهم خیرا"	گے تم ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا

نیز علم کی تدوین اور اس کے بقا کی جدوجہد میں سلف صالحین کی اقتدا کرتے ہوئے اس کام کے لیے میں تیار ہو گیا۔ مزید فرماتے ہیں کہ "میں نے اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے ایک متوسط درجہ کی کتاب تیار کی کہ جو اس قدر مفصل نہ تھی کہ پڑھنے والے اکتا جائیں اور نہ اس قدر مختصر کہ مفہوم کا سمجھنا ہی دشوار ہو مجھے امید ہے کہ قار[illegible] پائیں گے

تفسیر کے مآخذ

امام بغویؒ نے اپنی اس تفسیر میں جن مصادر و ماخذ سے استفادہ کیا ہے ان کی صراحت کر دی ہے اور جو زیادہ تر وہی ہیں جن کی خبر ان کو ان کے شیخ ابو سعید احمد بن محمد الشریحی الخوارزمی نے اپنے شیخ ابو اسحاق بن محمد بن ابراہیم الثعلبی کے واسطے سے ان کو دی ہے۔ انھوں نے اپنی سند تفصیل سے بیان کی ہے۔ وہ مصادر درج ذیل ہیں:-

۱۔ تفسیر عبداللہ بن عباس۔ انھوں نے تین سندوں سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ علی بن ابوطلحہ الوالبی کے واسطہ سے ۲۔ عطیہ کے واسطہ سے ۳۔ ابن عباس کے غلام عکرمہ کے واسطہ سے۔

۲۔ تفسیر مجاہد بن جبر المکی۔ اس کے راوی ابن ابی نجیم ہیں۔

۳۔ تفسیر عطاء بن ابی رباح۔ اس کے راوی ابن جریج ہیں۔

۴۔ تفسیر الحسن البصری اس کی روایت عمرو بن عبید نے کی ہے۔

۵۔ تفسیر قتادہ: یہ تفسیر انھوں نے دو واسطوں سے نقل کی ہے ایک شبان بن عبدالرحمٰن النحوی کا واسطہ ہے۔ دوسرا واسطہ معمر کا ہے۔

۶۔ تفسیر ابی العالیہ رفیع بن مہران الریاحی: اس کے راوی ربیع بن انس ہیں۔

۷۔ تفسیر محمد بن کعب القرظی: یہ تفسیر ابو معشر کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔

۸۔ تفسیر زید بن اسلم: اس تفسیر کی روایت عبداللہ بن وہب نے کی ہے۔

۹۔ تفسیر الکلبی۔ اسے امام بغوی نے اپنے شیخ ابو عبداللہ محمد بن الحسن المروزی سے ماہِ رمضان ۴۶۳ھ میں مقام مرو میں پڑھا ہے اور محمد بن مروان کے واسطہ سے بیان کیا ہے۔

۱۰۔ تفسیر الضحاک بن مزاحم۔ اس تفسیر کو بیان کرنے میں عبید بن سلیمان باہلی واسطہ ہیں۔

۱۱۔ تفسیر مقاتل بن حیان۔ یہ تفسیر ابو معاذ کے واسطہ سے بیان ہوئی ہے۔

۱۲۔ تفسیر مقاتل بن سلیمان۔ اس تفسیر کے راوی ابو صالح الزیدانی ہیں۔

۱۳۔ تفسیر السدی۔ یہ تفسیر اسباط کے حوالہ سے نقل ہوئی ہے۔

امام بغوی نے انہی مصادر کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور دوسرے مصادر کی طرف سرسری سا اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں جو سندیں یہاں مذکور ہیں ان کے علاوہ دوسری سندیں بھی ہیں جن کو طوالت کے اندیشے سے درج نہیں کیا گیا ہے۔

وہ تفسیریں جن کا ذکر ان کے مصادر کے بیان میں موجود نہیں ہے مگر تفسیر میں ان کے حوالے ملتے ہیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ تفسیر عبداللہ بن مسعودؓ: آپ نے اس تفسیر سے کافی استفادہ کیا ہے مثلاً آیت "فیه شفاء للناس" (النحل ۶۹) (اس (شہد) میں شفا ہے لوگوں کے لیے) کی تفسیر میں امام بغوی فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ شہد ہر جسمانی مرض کی دوا ہے اور قرآن ہر روحانی مرض کی دوا ہے، نیز انہی سے روایت ہے کہ "شفا دینے والی دو چیزوں کو لازم کرلو۔ ایک قرآن مجید دوسرے شہد" اس کے علاوہ بھی متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

۲۔ تفسیر ابی بن کعب، بہت سے مقامات پر اس تفسیر کے حوالے بھی ہیں۔ مثلاً، آیت "ورزق ربك خير وابقى" (طٰہٰ ۱۳۱) (اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے) کی تفسیر میں امام بغوی فرماتے ہیں کہ ابی بن کعب نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے مغفرت کا طلب گار نہ ہوگا حسرتیں اسے پامال کردیں گی اور جو شخص لوگوں کے مال و دولت کو حسرت آمیز نگاہ سے دیکھے گا اس کو غم لاحق ہوگا اور جو شخص خیال کرے گا کہ اللہ کی نعمت اس کے لباس اور کھانے پینے کی چیزوں میں ہے تو اس کا عمل کم ہو جائے گا اور وہ مصیبت سے دوچار ہوگا۔ اسی طرح اس تفسیر سے استفادہ کی اور بھی مثالیں ہیں۔

۳۔ تفسیر طبری۔ اس سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہے گو کہ اس کی مثالیں کم ہیں مثلاً آیت "فقال له فرعون انى لاظنك يموسى مسحورا" (بنی اسرائیل ۱۰۱) (تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ میں سمجھتا ہوں کہ تو ضرور سحر زدہ آدمی ہے) امام بغوی فرماتے ہیں کہ محمد بن جریرؒ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ مسحوراً کا مطلب "علم سحر سے واقف شخص ہے کہ یہ غیر معمولی اور انوکھے واقعات آپ کی سحر کاری کا نتیجہ ہیں" اس کے علاوہ اور بھی دوسرے مقامات پر استفادہ کیا گیا ہے۔

۴۔ تفسیر الواقدی۔ آپ نے اس تفسیر سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً آیت "واذ غدوت من اھلک تبوئ المومنین مقاعد للقتال واللہ سمیع علیم (آل عمران ۱۲۱) (جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور مسلمانوں کو جنگ کے لیے جا بجا مامور کر رہے تھے اللہ ساری باتوں کو سنتا اور وہ نہایت باخبر ہے) کے ذیل میں آپ فرماتے ہیں کہ مجاہد کلبی اور واقدی کے بقول" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے مکان سے احد کی طرف پیدل روانہ ہوئے اور صحابہ کی آپ صف بندی کر رہے تھے جیسی کہ تیر سیدھی کی جاتی ہے۔

امام بغوی نے ان لغوی مصادر کو بھی نظر انداز کر دیا ہے جن سے آپ نے قرآن کے الفاظ و کلمات کی تحقیق میں استفادہ کیا ہے۔ حالانکہ ائمہ لغت کے بہت سے اقوال کا تذکرہ ان کی تفسیر میں ملتا ہے۔ یہاں پر مختصر طور پر ان کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ الخلیل بن احمد المتوفی ۱۷۰ھ: آیت "یقولون ویکان اللہ (قصص ۸۲) کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں خلیل کے بقول "وی" کأنّ کا مفعول ہے جس کے معنی تعجب کے ہیں

۲۔ الکسائی المتوفی ۱۸۹ھ: آیت" وجعلنا آیۃ النہار مبصرۃً (الاسراء ۱۲) اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن کر دیا) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ امام کسائی نے فرمایا کہ اہل عرب کے یہاں "ابصر النہار" کا اطلاق دن کے روشن ہو جانے پر ہوتا ہے۔

۳۔ ابن کیسان المتوفی ۲۹۹ھ۔ آیت" والحب ذو العصف" (الرحمٰن: ۱۲) کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ ابن کیسان نے کہا ہے کہ "العصف" پتے کو کہتے ہیں، ہر وہ شے جس سے دانہ نکلتا ہے اس میں پہلے پتہ ہی ظاہر ہوتا ہے پھر اس کا تنا سامنے آتا ہے اور اخیر میں شگوفے بنتے ہیں۔ پھر اس میں چھلکے نکلتے ہیں۔

۴۔ الزجاج احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نساءکم (البقرۃ ۱۸۷) کی تفسیر میں امام بغوی فرماتے ہیں کہ الزجاج نے کہا کہ "الرفث" ایک جامع لفظ ہے جس کے معنی ہر وہ کام ہے جسے آدمی اپنی بیوی سے انجام دیتا ہے۔

۵۔ تغلب۔ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں امام بغوی فرماتے ہیں کہ ثعلب نے فرمایا "اسم" کا لفظ وسم اور سمۃ سے مشتق ہے جس کے معنی علامت کے ہیں۔ گویا یہ اپنے معنی کی بھی علامت ہے اور مسمی کی بھی علامت ہے۔

۴۴۴

منہج تفسیر کا تعارف

امام بغوی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تین فصل قائم کی ہے۔

پہلی فصل قرآن کی تعلیم اور اس کی فضیلتوں کے بارے میں ہے اور اس کے آغاز میں یہ حدیث درج ہے:۔

"خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اس کو سکھائے۔

دوسری فصل تلاوت قرآن کی فضیلتوں کے بارے میں ہے اور اس فصل کی پہلی حدیث یہ ہے۔ مثل الماھر بالقرآن مثل السفرۃ الکرام البررۃ ومثل الذی یقرؤہ وھو علیہ شاق لہ اجران۔

تیسری فصل بغیر علم کے تفسیر بالرائے کرنے والے شخص کے بارے میں آنے والی وعیدوں کے سلسلہ میں ہے اور اس فصل کی پہلی حدیث یہ ہے "من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ فی النار۔ جو شخص قرآن کی تفسیر میں محض اپنی رائے سے کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے

تفسیر کا عمومی انداز

سب سے پہلے امام بغوی ہر سورہ کے نام اور وجہ تسمیہ بتاتے ہیں۔ پھر یہ واضح کرتے ہیں کہ وہ مکی ہے یا مدنی اسی طرح مدنی سورتوں میں مکی آیات یا مکی سورتوں میں مدنی آیات۔ کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس کے بارے میں مفسرین کے اختلافات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد آیتوں کی تعداد بتاتے ہیں اور آخر میں اس سورہ سے متعلق احادیث میں وارد فضائل بھی بیان کرتے ہیں۔

قرآن کی تفسیر قرآن

امام بغوی تفسیر قرآن کے معاملہ میں قرآن مجید کو اکثر مقامات پر رہنما بناتے ہیں اور ایک آیت کی وضاحت کے لیے دوسری آیات سے بھی مدد لیتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں "اسم" کے معنی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "الاسم هو المسمیٰ وعینه وذاته" اسم جو کہ مسمیٰ ہے وہ اس کا عین بھی ہے اور ذات بھی۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ انا نبشرك بغلام اسمه يحيىٰ (مریم:۷) اور پھر اسی اسم سے اسے مخاطب کیا "یایحیٰ" اسی طرح آیت "ما تعبدون من دونه الا اسماء سميتوها۔ (یوسف ۴۰) میں اسماء سے مراد عبادت کی جانے والی شخصیتیں ہیں۔ اس لیے کہ کافران ہی شخصیات کو پوجتے تھے۔ مزید ارشاد ہے "سبح باسم ربك" اور "تبارك اسم ربك" (الرحمٰن :۷۸)

(ب) دوسری مثال جیسے یہ آیت "ويمدهم في طغيانهم يعمهون" (البقرہ ۱۵) امام بغوی فرماتے ہیں کہ "ويمدهم" کا مطلب يتركهم ويمهلهم ہے یعنی وہ انھیں چھوڑ دے گا اور انھیں ڈھیل دے دے گا۔ المدو الامداد دونوں ایک ہیں جس کے معنی "زیادتی" کے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ "مد" کا استعمال عام طور سے "شر" (مصیبت برائی) کے سیاق میں ہوتا ہے اور "امداد" کا استعمال خیر (بھلائی) کے پہلو سے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ونمد له من العذاب مدا" (مریم ۷۹) اور امداد کا استعمال اس طرح ہے "وامددناكم باموال وبنين (الاسراء:۶) وامددناهم بفاكهة (الطور:۲۲) اس طرح امام بغوی مفہوم کے تعین کے لیے قرآنی آیات ہی کو رہنما بناتے ہیں۔ اس طرح کی ایک اور مثال یہ آیت ہے "يوم ندعو كل اناس بامامهم (الاسراء:۷۱) امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد کتاب یعنی نامۂ اعمال ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "وكل شيء احصيناه في امام مبين (یٰسین ۱۲) (اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے۔ امام بغوی کی تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ آیتوں کے درمیان ظاہری تعارض و اشکال کو واضح، آسان اور شیریں انداز میں دور کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کی ایک آیت ہے: "ونحشرهم يوم القيامة على وجوههم عميا وبكما وصما" (الاسراء: ۹۷) اور ہم انھیں قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل اندھا، بہرہ اور گونگا بنا کر اٹھائیں گے) اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ اگر یہ اشکال پیش کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کو ان صفات سے کیسے متصف کیا حالانکہ دوسری آیتوں میں ہے کہ ورای المجرمون النار (الکہف ۵۳)

اور مجرم آگ کو دیکھیں گے۔ اور "دعوا ھنالك ثبورا" (الفرقان: ۱۳) وہ اس وقت ہلاکت ہلاکت پکاریں گے۔ نیز "وسمعوا لہا تغیظا وزفیرا" ۔ (الفرقان ۱۲) اور وہ اس جہنم کی غضبناکی اور جوش کی آوازیں سنیں گے۔ ان آیتوں سے اہل جہنم کی بینائی، گویائی اور سماعت تینوں ثابت ہیں ۔ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو پہلے اسی حال میں اٹھائے گا جس کا ذکر پہلی آیت میں ہوا ہے ۔ بعد میں ان کی وہ کیفیت ہو جائے گی جن کا ذکر آخری تین آیتوں میں ہوا ہے ۔ اس کا ایک دوسرا جواب حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یہ دیا ہے کہ "عمیا" سے مراد یہ ہے کہ وہ کوئی خوش کن منظر نہ دیکھ سکیں گے ۔ "بکما" سے مراد یہ ہے کہ وہ دلیل وحجت کے ساتھ بات نہ کرسکیں گے۔ اسی طرح "صما" سے مراد یہ ہے کہ وہ کوئی مسرت آمیز بات نہ سن سکیں گے۔ اسی طرح امام بغوی نے درج ذیل آیتوں میں بھی تطبیق پیدا کی ہے ۔ پہلی آیت ہے "رب السمٰوٰت والارض وما بینہما ورب المشارق ۔ (الصافات: ۵) دوسری آیت ہے "رب المشارق والمغارب" (المعارج: ۴۰) تیسری آیت ہے "رب المشرقین ورب المغربین" (الرحمٰن ۱۷) اور آخری آیت ہے "رب المشرق والمغرب" (المزمل: ۹) امام بغوی فرماتے ہیں کہ موخر الذکر آیت میں مشرق اور مغرب کی سمت مراد ہے جبکہ اس سلسلے کی تیسری آیت میں سردی کا مقام طلوع وغروب مراد ہیں۔ مقدم الذکر آیتوں سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے سورج کے لیے تین سو ساٹھ کوے مشرق میں اور اتنے ہی کوے مغرب میں سال کے دنوں کے برابر بنا رکھے ہیں اور ہر دن سورج ایک نئے کوے سے طلوع ہوتا ہے اسی طرح ایک نئے کوے پر غروب ہوتا ہے ۔ نیز اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں سورج طلوع ہو وہ مشرق ہے ۔ اسی طرح جہاں غروب ہو وہ مغرب ہے گویا اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں ۔ جن پر سورج طلوع ہوتا ہے اور جن سے غروب ہوتا ہے۔ اسی طرح امام بغوی نے اور بھی دوسری آیتوں کے درمیان پیدا شدہ تعارض کو دور کیا ہے ۔

قرآن کی تفسیر حدیث کے ذریعہ

امام بغوی نے آیتوں کے معنی اور اس کے مفہوم کی وضاحت کے لیے احادیث سے بھی خصوصی مدد لی ہے ۔ یہ ان کا امتیازی وصف ہے خود انھوں نے مقدمہ میں اس کی بھی وضاحت کردی ہے کہ "میں نے تفسیر میں کسی آیت کی تفہیم یا کسی حکم کی وضاحت

کے لیے جو حدیثیں بیان کی ہیں اس لیے کہ قرآن کی تفسیر کے لیے احادیث کی مدد ناگزیر ہے اور ان ہی پر شریعت اور تمام دینی معاملات کا دار و مدار ہے وہ سب کی سب ان کتابوں سے ماخوذ ہیں جو حفاظ اور محدثین کے نزدیک معروف و معتبر ہیں ان کے علاوہ ہر طرح کی منکر اور موضوع روایات کے نقل سے احتراز کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ تفسیر کے شایانِ شان نہیں۔ ان کی تفسیر میں احادیث نبوی بکثرت نقل ہوئی ہیں اور ان میں تمام احادیث کے ساتھ وہ اپنی مفصل سند بھی نقل کرتے ہیں۔ مثلاً آیت "واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وأمنا" (البقرۃ:۱۲۸) کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ "مجھ سے عبدالواحد الملیحی نے ان سے احمد بن عبداللہ بن النعیمی نے ان سے محمد ابن اسماعیل نے ان سے علی بن عبداللہ نے ان سے جریر نے منصور کے واسطہ سے اور انھوں نے مجاہد سے طاؤس کے واسطہ سے اور انھوں نے عبداللہ بن عباس کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ "اللہ نے اس شہر کو آسمان و زمین پیدا کیے جانے کے دن حرام قرار دیا تھا پس اس کی حرمت قیامت تک کے لیے ہے، نہ کانٹا اکھاڑا جائے گا نہ شکار کھدیڑا جائے گا نہ لقطہ اٹھایا جائے گا مگر یہ کہ جس کا لقطہ ہو۔ نہ گھاس اکھاڑی جائے گی تو حضرت عباس نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ کیا اذخر بھی نہیں جو بھٹی اور گھروں میں استعمال ہوتا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا ہاں اسے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ دوسری مثال یہ ہے آیت" فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا" (الانشقاق:۷-۸) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مجھے عبدالواحد الملیحی نے خبر دی ان کو احمد بن عبداللہ نے ان کو محمد بن یوسف نے ان کو محمد بن اسماعیل ان کو سعید بن ابی مریم نے ان کو نافع نے ابن عمر کے واسطہ سے انھوں نے ابن ابی ملیکہ کے واسطہ سے نقل کیا کہ حضرت عائشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ جب کوئی ایسی بات سنتیں جو سمجھ میں نہ آتی تو آپؐ سے استفسار کر کے سمجھ لیتیں چنانچہ ایک بار آپؐ نے فرمایا جس کا حساب ہوگا وہ ہلاک ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا "فسوف یحاسب حسابا یسیرا" (کہ عنقریب اس (مومن) سے آسان حساب لیا جائے گا) تو آپؐ نے فرمایا یہ تو محض پیشی ہے ورنہ جس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوئی تو وہ کسی طرح بھی گرفت سے نہ بچ سکے گا۔ امام بغوی نے

اس سلسلے میں صرف اسی حدیث کو نقل کیا ہے مزید دوسرے اقوال ذکر نہیں کیے ہیں اس طرح اور دیگر مقامات پر بھی قول الٰہی کی تفسیر کے لیے حدیث رسول سے مدد لی گئی ہے۔ امام بغوی کا یہ طریقہ بھی رہا ہے کہ کسی آیت کے ذیل میں وہ ایسی تمام احادیث کا کر دیتے ہیں جو مفہوم کو واضح کرتی ہوں اور رسول اللہؐ کے اسوہ پر بھی ان سے روشنی پڑتی ہو مثلاً "ومن الليل فتهجد به نافلة لك (الاسراء: ۷۹) اس آیت کے تحت پانچ حدیثیں مع سند نقل کی گئی ہیں جن سے عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت "عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا (الاسراء ۷۹) بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کردے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے اس سلسلے میں سات حدیثیں سند کے ساتھ مذکور ہیں۔

امام بغویؒ نے بعض حدیثوں کے معیار پر بھی گفتگو کی ہے اور انؒ کی غرابت یا ضعف کی وضاحت کی ہے کبھی وہ کسی حدیث کا ذکر کسی مشہور محدث کے حوالہ سے کرتے ہیں اور کبھی بغیر سند کے ہی نقل کرتے ہیں۔

اقوال صحابہ سے قرآن کی تفسیر

قدر و منزلت میں رسول اللہؐ کے بعد صحابہ کرامؓ کا درجہ ہے خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ "صحابہ کرام اہل زبان تھے اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کلام اللہ کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ امام بغوی صحابہ کرام تابعین اور ائمہ سلف کے اقوال بھی آیتوں کی توضیح وتشریح کے لیے بیان کرتے ہیں، مثلاً" اهدنا الصراط المستقيم" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم" کے بارے میں عبداللہ ابن عباسؓ جابرؓ نیز مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے ابن مسعودؓ کے نزدیک وہ قرآن ہے اور حضرت علیؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اس سے مراد کتاب اللہ ہے۔ سعید بن جبیر کے بقول جنت کا راستہ ہے۔ سہل بن عبداللہ کے بقول اهل السنة والجماعة کا راستہ ہے اور بکر بن عبداللہ المزنی کے بقول رسول اللہؐ کا طریقہ ہے اور ابو عالیہ اور حسن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آل نبی اور ان کے دونوں ساتھی (حضرات ابوبکر و عمرؓ) ہیں۔

نیز اسی آیت" انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان، انہ کان ظلوماً جہولاہ (الاحزاب ۷۲) کی تفسیر میں صحابہ اور تابعین کے سات مختلف اقوال بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک امانت سے مراد اطاعت اور ان فرائض کی ادائیگی ہے جن کو اللہ نے اپنے بندوں پر واجب کیا ہے۔ ابن مسعودؓ کے نزدیک امانت سے مراد نماز کا ادا کرنا ہے، مجاہد کے نزدیک امانت سے مراد فرائض اور دین کے حدود ہیں۔ ابو العالیہ کے بقول امانت سے مراد اوامر و نواہی ہیں۔ زید بن اسلم کے نزدیک امانت سے مراد روزہ، غسل جنابت اور شریعت کے وہ احکام ہیں جو پوشیدہ طریقے سے انجام دیئے جاتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بقول اللہ نے سب سے پہلے انسان کی شرمگاہ پیدا کی اور کہا کہ یہ امانت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک رائے ضحاک کے واسطے سے یہ نقل ہوئی ہے کہ امانت سے مراد لوگوں کی امانتیں اور وعدوں کی پاسداری ہے۔ امام بغویؒ کی تفسیر میں اس قسم کی اور بھی بہت سی دوسری مثالیں ہیں۔

اسرائیلی روایات کے ذریعہ قرآن کی تفسیر

امام بغوی ایک صحیح العقیدہ اور بلند پایہ محدث تھے اس کے باوجود انھوں نے قرآن کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کو بھی نقل کیا ہے۔ جیسے آیت" واحی الموتی باذن اللہ۔ (آل عمران ۴۹) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چار افراد عازر، ابن عجوز، عاشر کی لڑکی اور سام بن نوح کو زندہ کیا عازر کے زندہ کیے جانے کا واقعہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے دوست تھے اس کی بہن نے حضرت عیسیٰؑ کو اطلاع بھیجی تمہارا بھائی مرض موت میں مبتلا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کے ساتھ تین دن کی مسافت طے کر کے اس کے پاس پہونچے اس وقت تک اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ نے اس کی بہن سے پوچھا کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ وہ انھیں اس کے قبر تک لے گئی۔ حضرت عیسیٰؑ نے اللہ سے دعا کی اور عازر اٹھ بیٹھا نیز قبر سے نکل آیا قصہ مختصر یہ کہ وہ پھر زندہ رہا اور اس سے اولاد بھی ہوئی (۵۰)

ابن عجوز کا واقعہ یہ ہے کہ عیسیٰؑ علیہ السلام کے سامنے اس کا جنازہ گذرا تو آپ نے اس کے لیے اللہ سے دعا کی تو وہ اٹھ بیٹھا اور بالآخر خود ہی جنازہ کی چارپائی لے کر گھر گیا۔ یہ بھی اس کے بعد زندہ رہا اور اس کی اولاد ہوئی۔ عاشر کی لڑکی کا قصہ یہ ہے کہ اس کا باپ عشر وصول کیا کرتا تھا اس کی بیٹی جب مرگئی تو عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے اللہ سے دعا کی تو وہ دوبارہ زندہ ہوگئی بعد میں اس کے بھی بال بچے ہوئے۔

سام بن نوح کا واقعہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ان کی قبر کے پاس آئے اور اللہ سے اس کے اسم اعظم کے حوالے سے دعا کی تو وہ قبر سے نکل پڑے۔ ان کے سر کا نصف حصہ قیامت کے برپا ہو جانے کے خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے کہا کہ کیا قیامت واقع ہوگئی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ نہیں بلکہ میں نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی تھی اس لیے تم زندہ ہو گئے اب تم دوبارہ مر جاؤ۔ اس نے کہا کہ اس شرط پر کہ موت کی تکلیف سے بچ جاؤں۔ آپ نے اس کے لیے دعا کی اور وہ دوبارہ مر گیا۔ اسی طرح عزیز مصر کی بیوی اور یوسف کے قصے اور ہاروت و ماروت کے قصے میں امام بغویؒ نے اسرائیلی روایات نقل کی ہیں۔ گرچہ ان میں سے اکثر روایات کا ماخذ مذکور ہے مگر ان پر کوئی تبصرہ یا ان کے ضعف اور موضوعیت کی طرف کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔ ان پر تنقید ہونی چاہئے تھی البتہ یہ بات خوش آئند ہے کہ انھوں نے کسی اسرائیلی روایت کا انتساب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کیا ہے۔

فقہاء کی رائیں

امام بغوی فقیہ بھی تھے وہ اپنی تفسیر میں فقہاء کی آراء بھی نقل کرتے ہیں۔ بسم اللہ کے بیان میں فرماتے ہیں کہ مدینہ اور بصرہ کے قراء اور کوفہ کے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ سمیت کسی سورت کا جز نہیں ہے۔ یہ محض برکت کے لیے شروع میں درج کی گئی ہے۔ جبکہ مکہ اور کوفہ کے قراء اور حجاز کے اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ یہ کسی سورت کا جزء نہیں ہے بلکہ یہ سورتوں کے درمیان فصل کے لیے لکھا جاتا ہے فقہاء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ سورۂ توبہ کے علاوہ تمام سورتوں کا جزء ہے۔ یہ ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی کی رائے ہے۔ اسی طرح آیت وعلی الذین یطیقونہ

فدیۃ طعام مسکین (البقرہ ۱۸۴) (اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (اور پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں) کی تفسیر میں بھی فقہاء کی آراء درج ہیں اور "ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر (البقرہ ۱۸۴) (اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے) کے ذیل میں سفر کی کم سے کم مسافت کے سلسلے میں فقہاء کے اختلافات نقل کیے ہیں۔

امام بغویؒ نے ربیع بن سلیمان کے حوالے سے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اسلام میں صرف متعہ ہی ایسا عمل ہے جو پہلے جائز تھا پھر اس کی حرمت آئی پھر اس کی اجازت مل گئی اور پھر وہ حرام قرار دے دیا گیا۔ امام بغویؒ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ احکامی آیتوں میں فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل بھی بیان کر دیتے ہیں۔

لغت سے استدلال

امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں الفاظ و تراکیب کی لغوی تحقیق کا بھی اہتمام کیا ہے مثلاً آیت "لایلف قریش" (سورہ قریش:۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "قریش" کا لفظ "قرش" اور "تقرش" سے مشتق ہے جس کے معنی کمانے اور جمع کرنے کے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ "فلان یقرش لعیالہ ویقترش" یعنی فلاں شخص اپنے اہل وعیال کے لیے کماتا ہے چونکہ اہل قریش تجارت اور مال و دولت جمع کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کا جذبہ رکھتے تھے لہٰذا ان کو قریش کہا گیا۔ اسی طرح لفظ "الغرور" کے معنی "باطل کی ایسی رنگ آمیزی کرنا کہ وہ حق سمجھا جائے" بیان کیا ہے اور لفظ "البشارۃ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہر وہ خبر جس سے چہرے کا رنگ بدل جائے بشارت ہے خواہ یہ اچھی خبر ہو یا بری لیکن عام طور سے بشارت اچھی خبر کے لیے بولا جاتا ہے اسی طرح لفظ "السنۃ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سنت ہر قابل اتباع طریقے کو کہا جاتا ہے خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا۔

امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں بکثرت ائمہ لغت کے حوالے دیئے ہیں۔ انھیں خود بھی عربی لغت پر کامل عبور تھا لیکن وہ ماہر لغت کی حیثیت سے مشہور نہیں ہوئے انھوں نے اس علم کو قرآن و سنت کی خدمت کے لیے ایک وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت

سے استعمال کیا۔

اس تفسیر میں انھوں نے ایک آیت کی مختلف قراتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

امام بغویؒ کا شمار معروف ائمہ دین میں ہوتا ہے اور ان کی تفسیر معالم ایک اہم تفسیر ہے جس کا تفسیری منہاج دوسری تفاسیر سے ممتاز ہے۔

مصادر و مراجع

۱۔ ابن الاثیر۔ عز الدین ابو الحسن علی بن ابی اکرم محمد، اللباب فی تہذیب الانساب مطبوعہ دار صادر۔ بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۲۔ ابن تغری بردی، جمال الدین ابو المحاسن یوسف النجوم الزاہرۃ وزارۃ الثقافۃ قاہرہ

۳۔ ابن تیمیہ، ابو العباس تقی الدین احمد بن عبد الحلیم الحرانی مجموعہ فتاوی الریاض ۱۳۸۱ھ

۴۔ ابن خلکان، ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان تحقیق۔ احسان عباسی۔ دار صادر بیروت ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء۔

۵۔ ابن الصلاح، ابو عمرو عثمان، علوم الحدیث المعروف بمقدمہ۔ المطبعۃ العلمیہ حلب طبع اول ۱۹۳۱ء۔

۶۔ ابن العماد، ابو الفلاح عبد الحی الحنبلی، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب مکتبۃ القدسی قاہرہ ۱۳۵۰ھ

۷۔ ابن کثیر ابو الفداء اسماعیل بن عمر، الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث۔ دار الفکر۔ بیروت۔

۸۔ ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ مکتبۃ المعارف بیروت طبع دوم ۱۹۷۷ء۔

۹۔ ابن منظور، جمال الدین ابو الفضل محمد بن المکرم، لسان العرب دار صادر بیروت

۱۰۔ احمد تیمور، ضبط الاعلام، دار احیاء الکتب العربیۃ القاہرہ ۱۹۴۷ء۔

۱۱۔ اسماعیل پاشا بغدادی، ہدیۃ العارفین۔ مکتبۃ المثنی بیروت مکتبۃ اسماعیلیہ۔ تہران ۱۹۵۵ء ۱۹۶۴ء

۱۲۔ الاسنوی جمال الدین عبد الرحیم، الطبقات الشافعیہ تحقیق عبد اللہ الجبوری۔ مطبعۃ الارشاد بغداد ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء۔

۱۳۔ البغوی حسین بن مسعود، شرح السنۃ تحقیق شعیب الارناؤوط۔ المکتب الاسلامی

بیروت طبع دوم ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء۔
۱۴۔ البغوی۔ مصابیح السنۃ تحقیق یوسف عبدالرحمن المرعشلی وغیرہ دارالمعرفۃ بیروت طبع اول ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء۔
۱۵۔ البغوی، معالم التنزیل (تفسیر خازن کے حاشیہ میں ہے) دارالفکر قاہرہ ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء
۱۶۔ حاجی خلیفہ۔ مصطفیٰ بن عبداللہ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مکتبہ المثنی بیروت ۱۹۲۱ء۔
۱۷۔ الحسینی ابوبکر بن ہدایت اللہ طبقات الشافعیۃ دارالفکر الجدید بیروت طبع اول ۱۹۷۱ء
۱۸۔ الخازن، علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی۔ تفسیر الخازن لباب التاویل فی معانی التنزیل دارالفکر قاہرہ ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء
۱۹۔ داؤدی: شمس الدین محمد بن علی طبقات المفسرین مکتبۃ وہبۃ القاہرہ ۱۹۷۲ء
۲۰۔ الذہبی۔ ابوعبداللہ احمد بن عثمان، تذکرۃ الحفاظ دائرہ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۳۳۳ھ
۲۱۔ الذہبی۔ سیر اعلام النبلاء تحقیق شعیب الارناؤوط، المکتب الاسلامی بیروت طبع دوم ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء
۲۲۔ السبکی۔ ابونصر تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین طبقات الشافعیہ قاہرہ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء
۲۳۔ السیوطی۔ جلال الدین عبدالرحمٰن، طبقات المفسرین تحقیق علی محمد عمر مکتبۃ وہبۃ قاہرہ طبع اول ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۲۴۔ شاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی۔ بستان المحدثین ایچ، ایم کمپنی کراچی طبع اول ۱۹۷۶ء
۲۵۔ صدیق حسن التاج المکلل عن جواہر مآثر الطراز الآخر والاول قاہرہ ۱۹۶۳ء۔
۲۶۔ الطبری۔ ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر الطبری المطبعۃ المیمنۃ قاہرہ۔
۲۷۔ الفارسی محمود بن احمد بن محمد اسماء رجال المصابیح (مخطوط) مضمون نگار کے پاس اس کا ایک نسخہ ہے۔
۲۸۔ الکتانی۔ محمد بن جعفر، الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ۔ المشرفۃ دارالفکر دمشق طبع دوم ۱۹۶۴ء۔
۲۹۔ محمد مصطفیٰ، اعجام الاعلام، نشر جماعۃ دارالعلوم قاہرہ ۱۹۳۶ء
۳۰۔ الیافعی، ابومحمد عبداللہ بن اسعد، مراۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ ما یعتبر من حوادث=

الزمان دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد ۱۳۳۳ھ۔

۳۱؎ یاقوت الحموی شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ معجم البلدان ۵ مجلدات دار صادر بیروت ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

32. Brockelmann. carf.
Gerchichte-der-Arabischen Literature. 2 vols. and 3 suppls. weimar and Leiden 1898-1942

33. Encyclopaedia of Islam, New edition Leiden and London 1960.

(الدراسات الاسلامیہ ج ۲۶ شمارہ ۲)

مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

قومی پریس کے ذریعہ طلاق ثلاثہ پر جو بحثیں ہوتی ہیں اور جو سوالات اٹھائے گئے ہیں اس کی وجہ سے خواتین کے حقوق و مسائل سے لوگوں کی دلچسپی بہت بڑھی ہے۔ اہل علم ان مسائل کو سنجیدگی سے پڑھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہ کی مایۂ ناز تصنیف 'مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراض کا جائزہ' کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا۔ اس سے امید ہے کہ عورت کی حیثیت سے متعلق تمام اشکالات ایک ایک کر کے رفع ہو جائیں گے۔ طلاق اور نان و نفقہ سے متعلق بہت ہی قیمتی بحث بھی اس میں شامل ہے۔ مصنف کے رواں قلم نے علمی اور تحقیقی انداز میں اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ تحریر کی سلاست، روانی اور ادب کی لطافت کتاب کے حسن کو نکھار رہی ہے۔ اس لیے اس کتاب کو اہل علم اور ہر حلقہ میں پہنچانا ہم سب کی ذمہ داری ہے یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اپنے آرڈر سے ہمیں جلد مطلع کریں۔

آفسٹ کی روشن طباعت، دیدہ زیب ٹائٹل، قیمت صرف ۲۵/- روپے لائبریری ایڈیشن ۳۵/- روپے

منیجر

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ